اُردو شاعری اور تصوّف۔ جدید تناظر میں

ڈاکٹر عظمت رباب

Dr. Azmat Rubab

Associate Professor, Department of Urdu,
Lahor College For Women University, Lahore.

ڈاکٹر محمد خاں اشرف

Dr. Muhammad Khan Ashraf

Associate Professor, Department of Urdu,
Lahore Garrison University, Lahore.

Abstract:

The Tradition of Tasawuf was actually away to understand the subtle realities of life. It was a system of thinking and practicing a wayof life and worship which transcended the dogmas and narrow rituals of different religions. It explains the ultimate realities of life, existence and the God in a way which also accommodated the religious norms of Islam. A large number of Khanqahs came into existence which helps the disciples to follow the path of Irfan, or oneness with the ultimate reality. This tradition also permeated in the poetry of the times since its suited the untraditional thinking of the poets. In Urdu Poetry since its beginning to the present times has been a favoured vehicle of Sufi and Mystical ideas and Ideals. All great Urdu poets form Wali to Iqbal have been expressing Sufi philosophy in their poetry. This research paper attempts to delineate this tradition.

برصغیر میں تصوف زندگی کی حقیقت کو بتانے اور سمجھنے کا طریقہ تھا اور یہ طریقہ ایسا تھا جو فکری سطح پر ہی نہیں بلکہ زندگی گزارنے کا طریقہ بھی تھا۔ یہ طریقہ معاشرے میں فلسفیانہ تضاد، فکری تضادات، مذہب کے ڈوگما، کٹر توجیہات کے تضادات سے ابھرنے کا طریقہ تھا۔ حقیقتِ اولیٰ کی وضاحت کا طریقہ تھا، ساتھ ہی یہ زندگی گزارنیکا طریقہ تھا جس نے مذہب، اور معاشرت کے تضادات کو ختم کر دیا اور لوگ اس طریقے کے مطابق زندگی گزارنے لگے۔ برِصغیر میں تاتاریوں، مرہٹوں اور غیر ملکی حملہ آوروں کے حملوں، قتل و غارت اور کشت وخون کے اُس دور میں ایک ایسے مسلک کی ضرورت تھی جو سب مذاہب کے لیے

یکساں مفید ہوا اور لوگ اس میں فکری اور جذباتی حوالے سے پناہ لے سکیں۔صوفیائے کرام نے اردو نثر و شاعری کو اپنے پیغامِ امن اور تصوف کا ذریعہ بنایا اور عوام کی زبان میں صوفیانہ پیغام کو عام کیا جس میں انسانیت مشترک قدر تھی۔انھوں نے اپنے نظریات اور افکار سے یہ ثابت کیا کہ تمام مخلوق ایک خدا کا کنبہ ہے اور ہم سب اسی کی ذات کا حصہ ہیں۔اس حوالے سے نظریہ وحدت الوجود اور نظریہ وحدت الشہود کے ذریعے انسانوں کی بنیاد ایک ہی قرار دی۔صوفیا کی خانقاہیں اس دور میں پناہ گاہیں تھیں اور صوفیا انسانیت کے علمبردار تھے۔انھوں نے انسانیت کا عالمگیر تصور پیش کیا اور حقوق العباد کی ادائیگی کو حقوق اللہ سے بھی مقدم جانا اور اس کی تبلیغ کی۔

برصغیر کے مجموعی سیاسی، معاشی، معاشرتی اور اخلاقی حالات کے پیشِ نظر اس دور کی اُردو شاعری پر بھی اس کے اثرات پڑے۔دنیا کی بے ثباتی اور ناپائیداری جیسے موضوعات شاعری میں عام دکھائی دیتے ہیں لیکن یہ انسان کو دنیا سے بے زار نہیں کرتے اور نہ ہی بے عملی کا سبق دیتے ہیں بلکہ اس سے جبر و اختیار کا ایک تصور شاعری میں شامل ہوا جس کے نتیجے میں قناعت، محبت اور رواداری جیسی اقدار کو فروغ دینے کا رجحان عام ہو گیا۔ڈاکٹر نفیس اقبال لکھتی ہیں:

> ''اس دور کی شاعری نے فارسی روایت کو اپنے دامن میں سمیٹا تو عشق کا مخصوص تصور، تصوف کا تصورِ تسلیم و رضا، فلسفۂ اخلاق، فنا و بے ثباتی، خدا، کائنات اور انسان کے رشتوں کا تصور، عقل کے مقابلے میں عشق کی فوقیت، مجاز و حقیقت، جبر و اختیار اور وحدت الوجود کے تصورات اردو شاعری کی روایت میں شامل ہو گئے۔''(۱)

اس دور میں خِرد کے مقابلے میں عشق پر زور دیا گیا، خِرد کے ساتھ جنوں کی آمیزش لازمی قرار دی گئی۔عقل کے بجائے عشق پر زور دینے کا نتیجہ یہ نکلا کہ ادب میں آزاد خیالی، بے تعصبی اور رواداری کی دیرپا بنیادیں پڑیں اور تنگ نظریے کے بجائے آزاد خیالی پیدا ہوئی۔یہ موضوع عمومی طور پر بیان کیا گیا کہ ہر عقیدہ اور ہر تصور حقیقت کا ایک روپ پیش کرتا ہے۔یہاں دیر و حرم کی تقسیم مٹ جاتی ہے اور سارے ادیان و مذاہب ایک ہی منزل کی طرف راہنمائی کرتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ اس دور کی شاعری میں شیخ اور واعظ کا مذاق، تنگ نظری پر طنز اور دنیا کے پیچھے دوڑنے والے اہلِ طلب کا مضحکہ اڑایا گیا ہے:

وفاداری بشرطِ استواری اصلِ ایماں ہے — مرے بت خانے میں تو کعبے میں گاڑو برہمن کو
کعبہ و دیر میں دیکھے ہیں اسی کا جلوہ — کفر و اسلام پہ کب دیدہ وراں جاتے ہیں

اس دنیا میں انسان کی اہمیت اور انسانی عظمت کا بیان صوفیا کا اہم پیغام تھا چنانچہ انھوں نے اپنی تصانیف، شاعری اور پیغام میں اسے فروغ دیا۔مذہب اور رنگ و نسل سے بالا ہو کر محض انسانیت کو اہمیت دی گئی۔چنانچہ اس دور کی شاعری میں حقیقت کے اسرار بیان کرنے، کائنات پر غور و فکر کرنے، رواداری، مروّت، برداشت اور مذہب، نسل و قوم سے بالا تر ہو کر انسانیت کو فروغ دینے جیسے موضوعات بیان کیے گئے۔صوفیانہ سلاسل، عوام اور اردو شاعری میں یہ سلسلہ اس وقت تک چلتا رہا جب تک سائنسی علم وجود میں نہیں آ گیا۔سائنس نے مشاہدے اور تجربے کو انسانی علم کی بنیاد بنایا جس سے سائنس کا توضیحی تصور سامنے آیا۔اس سائنسی توضیحی تصور سے تصوف کی فکری سطح کی اہمیت کم ہو گئی اگرچہ انفرادی سطح پر یہ خانقاہوں کی صورت میں جاری رہی لیکن عوام میں اس کی اہمیت کم ہو گئی۔

جدید عہد اور زندگی میں حقیقت کو بیان کرنے کا مدلل ذریعہ اپنایا گیا۔ڈارون نے نظریہ ارتقا، آئن سٹائن نے نظریہ

اضافت، مارکس نے مادی جدلیات، ہیگل نے تھیسس اور اینٹی تھیسس کا ایک نیا متبادل ماڈل کھڑا کر دیا۔ ان ماڈلز پر تصوف کی سوچ کو بیان کرنا ممکن نہیں تھا لہٰذا جدید دور میں قوم پرستی نے جو تضادات پیدا کیے ان میں سب سے پہلے سامراجیت اور نوا؟ بادیاتی تسلط نے ا؟ دھے انسانوں کو غلام بنائے رکھا اور ایشیا اور افریقہ یورپ کی نوآبادیات میں شامل کیے گئے، اس طرح ان کی تہذیب، زبان اور ثقافت اور سیاسیات متاثر ہوئے۔ جب اس پر قابو پایا گیا تو بیسویں صدی میں مذہبی انتہا پسندی نے زور پکڑ لیا ، مذہب میں بنیاد پرستی کا رجحان بڑھ گیا، لوگ اپنی اپنی مذہبی تعبیر پر کاربند ہو گئے اور اسے سختی سے نافذ کرنے پر اصرار کرنے لگے۔ یہ سب رجحانات خرد، سائنس اور انفرادیت پسندی کے زیرِ اثر فروغ پائے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نرم رویے اور برداشت کا خاتمہ ہو گیا۔ یہ مستقبل کا ایک ایسا مسئلہ ہے جسے حل کرنا آج کی اہم ضرورت ہے۔ اب لوگ تصوف کی پرانی بنیادوں کے احیا کی کوشش میں ہیں جو معاشرے میں قوم پرستی اور مذہبی انتہا پسندی کو ختم کرے لیکن ایسا کوئی نظریہ سائنسی عمل کے معیار پر پورا نہیں اتر سکتا اور نہ ہی بیسویں اور اکیسویں صدی کے سیاسی، ثقافتی، اور معاشرتی رجحانات کو اپنے اندر سمو سکتا ہے۔ کیونکہ سائنس کی ترقی نے تصوف کے پرانے نظریے کی بہت سی بنیادوں کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچایا ہے لہٰذا اس تصوف کا ہو بہو احیا شاید ممکن نہیں اسی لیے بیسویں اور اکیسویں صدی کے شعرا کے ہاں انسان دوستی، بین المذاہب رواداری، انسانی کی ہمہ گیر بنیادوں کا احساس ایک نئے طریقے سے پایا جاتا ہے۔ ن۔م۔راشد کی ایک نظم ''تصوف'' میں انھی خیالات کا اظہار کیا گیا ہے۔

ہم تصوف کے خرابوں کے مکیں
وقت کے طولِ المناک کے پروردہ ہیں
ایک تاریک ازل ، نور ابد سے خالی
ہم جو صدیوں سے چلے ہیں
تو سمجھتے ہیں کہ ساحل پایا
اپنی دن رات کی پاکوبی کا حاصل پایا
ہم تصوف کے نہاں خانوں میں بسنے والے
اپنی پامالی کے افسانوں پر ہنسنے والے
ہم سمجھتے ہیں نشانِ سرِ منزل پایا(۲)

اس تصور کو اپنے مختلف شاعروں کے ہاں مختلف شکلیں اختیار کیں لیکن بنیادی پیغام ایک ہی ہے جو انسان دوستی، روشن خیالی، بین المذاہب رواداری، تمام انسانوں کے مشترک ورثے کا احساس اور زمین کو ایک پرامن ترقی پسند ہمہ جہتی دنیا بنانے کا تصور ہے۔

جدید اردو شاعروں نے تصوف کے جن بنیادی تصورات کو شاعرانہ انداز میں بیان کیا ان میں انسان دوستی اور بین المذاہب رواداری اہم ہیں۔ اقبال، فیض، راشد، مجید امجد اور واصف علی واصف کی شاعری سے چند مثالیں بطور نمونہ درج ہیں:

کیوں نہ جہاں کا غم اپنا لیں　　بعد میں سب تدبیریں سوچیں
بعد میں سکھ کے سپنے دیکھیں　　سپنوں کی تعبیریں سوچیں(۳)

دستِ صبا کی ایک نظم ''شیشوں کا مسیحا کوئی نہیں'' کے ابتدائی چند بند حقیقت نگاری اور قدرے یاس کا عنصر لیے ہوئے

ہیں۔

موتی ہو کہ شیشہ ، جام کہ دُر جو ٹوٹ گیا ، سو ٹوٹ گیا
کب اشکوں سے جُڑ سکتا ہے جو ٹوٹ گیا ، سو چھُوٹ گیا
تم ناحق ٹکڑے چن چن کر دامن میں چھپائے بیٹھے ہو
شیشوں کا مسیحا کوئی نہیں کیا آس لگائے بیٹھے ہو

لیکن آخری بند میں ایک امید اور انسان دوستی کا علم بلند کرتے دکھائے دیتے ہیں۔ یہ دراصل موازنہ ہے دو مختلف نقطۂ نظر رکھنے والوں کا جن میں سے ایک بدی، انتشار اور برائی کے نمائندے ہیں اور ان کے مقابلے میں ولی صفت لوگ ہیں جو خلقِ خدا کی بہتری کے لیے ہمہ دم کوشاں رہتے ہیں اور اپنے دل میں مخلوقِ خدا کی محبت کا جذبہ رکھتے ہیں:

یہ کالک بھرتے پھرتے ہیں وہ جوت جگاتے رہتے ہیں
یہ آگ لگاتے پھرتے ہیں وہ آگ بجھاتے رہتے ہیں
سب ساغر ، شیشے ، لعل و گُہر اِس بازی میں بَد جاتے ہیں
اٹھو ، سب خالی ہاتھوں کو اِس رَن سے بلاوے آتے ہیں

اسی طرح فیض احمد فیض عشق کے لیے کسی نام ونسب اور مال و دولت کو لازمی خیال نہیں کرتے۔

میدانِ وفا دربار نہیں ، یاں نام و نسب کی پوچھ کہاں
عاشق تو کسی کا نام نہیں ، کچھ عاشقی کسی کی ذات نہیں(۴)

جدید دور کی نفسانفسی سے اُکتا اور گھبرا کر فیض ماضی کے ان بے ریا اور صاف دل لوگوں کو یاد کرتے ہیں جن کا مقصد خلقِ خدا کی بہتری تھا اور ان کے نزدیک انسانیت ہی سب سے بڑا مذہب تھا اور انسان ہی اہم تھا۔

تھے کتنے اچھے لوگ کہ جن کو اپنے غم سے فرصت تھی
سب پوچھیں تھے احوال جو کوئی درد کا مارا گزرے تھے
تھی یاروں کی بہتات تو ہم اغیار سے بھی بیزار نہ تھے
جب مل بیٹھے تو دشمن کا بھی ساتھ گوارا گزرے تھا(۵)

مجید امجد کی شاعری بالخصوص نظموں میں انسان دوستی، ہمدردی اور روشن خیالی جیسے موضوعات پائے جاتے ہیں۔ نظم پنواڑی کا ایک بند بطور مثال پیشِ خدمت ہے:

کون اس گُتھی کو سلجھائے ، دنیا ایک پہیلی
دو دن ایک پھٹی چادر میں دُکھ کی آندھی جھیلی
دو کڑوی سانسیں لیں ، دو چلموں کی راکھ انڈیلی
اور پھر اس کے بعد نہ پوچھو ، کھیل جو ہونی کھیلی
پنواڑی کی ارتھی اٹھی ، بابا ، اللہ بیلی(۶)

اسی طرح نظم امروز (ص ۱۸۵) میں بھی یہ موضوعات ملتے ہیں۔

ن۔م۔راشد نے بھی اپنی نظموں میں انسان دوستی کا ذکر کیا ہے۔

نظموں ''مسز سالا مانکا'' (ص ۵۵۶)، اے وطن اے جان (ص ۵۵۹)، شہر میں صبح (ص ۵۲۱) نیا آدمی (ص ۵۱۳) اندھا کباڑی (ص ۴۹۵)، حسن کوزہ گر، (ص ۴۸۸) وزیرِ چنیں (ص ۲۳۹) تیل کے سوداگر (ص ۲۳۵)، میں طنز ہے تو کلیاتِ راشد کی آخری نظم میں ایک امید ہے جس میں انسانیت کا نعرہ بلند کیا ہے۔

مجید امجد کی نظم میں انسانیت نواز لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے جو ناتوانوں کے راکھی ہیں۔ نظم کا عنوان ہے:

اُن کو جینے کی مہلت۔۔۔۔۔

ان کو جینے کی مہلت دے، جو تیرے بندوں کی خاطر جیتے ہیں
ورنہ۔۔۔تو۔۔۔اس نگری کا اک اک نگ کھوٹا ہے
کوئی نہیں جو ناتواں ذروں کا راکھی ہو،
کون ان کا راکھی ہے، صرف ان کی یہی دو آنکھیں، جن کی نگہداری میں زندہ ہیں، یہ ناتواں ذرے
ذرے جن میں عزتیں ٹمٹماتی ہیں اس اک گھر کی، جس پر مجحوب اندیشوں کی چھت ہے
اُن آنکھوں میں جلنے والے مقدس ارمانوں کو روشن رکھ
میں اُن آنکھوں کے ارمانوں کے دُکھ میں جیتا ہوں
یہ دُکھ مجھ کو زندگی سے بھی عزیز ہے
اُن کو جینے کی مہلت دے، جن کے جیتے رہنے میں اس دکھ اس غم کی عفت ہے
اُن کے دن تھوڑے ہوں تو میری زندگی اُن کو دے دے
اُس ہونی کے ہونے تک تو۔۔۔اپنے ہونے تک تو۔۔۔۔میں ہوں
اِس وقفے کو ایسی راحتوں سے بھر دے، کچھ ایسی راحتیں
جو میں اُن دو نگہدار آنکھوں کو دے سکوں، حیائیں جن کی زندگی ہیں (۷)

حوالہ جات

۱۔ ڈاکٹر نفیس اقبال، اردو شاعری میں تصوف (میر و سودا کے عہد میں)، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ص: ۳۲۵

۲۔ ن۔م۔راشد، کلیاتِ راشد، لاہور: ماورا پبلشرز، ص: ۵۵۰

۳۔ فیض احمد فیض، نسخہ ہائے وفا، لاہور: مکتبہ کارواں، نظم سوچ، ص: ۵۹

۴۔ ایضاً، ص: ۶۵

۵۔ ایضاً، ص ۱۷۔۱۶

۶۔ محمد زکریا، خواجہ، ڈاکٹر، مرتب: کلیاتِ مجید امجد، لاہور: الحمد پبلی کیشنز، ص ۱۶۸

۷۔ ایضاً، نظم ''ان کو جینے کی مہلت۔۔۔۔۔''

☆.....☆.....☆